



آپ تنخواہ دے دیں بہت ضرورت ہے جی۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

”ایک تو تم لوگوں کی ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ اب تو دعوت کے بعد ملیں گے پیسے۔ جاؤ جا کر سائر کے لیے نوڈلز بناؤ پھر میرے دوست استری کر کے جانا۔“

”بی بی جی! اونچ گئے، بچے راہ دکھ رہے ہوں گے۔ کچھ کھانے کو دے دو بچوں کے لیے۔ قسم لے لیں صبح بچوں کو سوائے ایک ایک پاپے اور پکی سی چائے کے علاوہ کچھ اور دیا ہو۔“ رشیدہ نے سائر کے سامنے نت نئی چیزیں ڈھیر کرنی مالکن سے کہا جو کہ آکس کریم کے بدلے میں تھیں۔

”تو میں کیا کروں؟“ سومیہ نے شعلہ یار نظروں سے رشیدہ کو گھورا۔ ”کیوں اتنے بچے پیدا کیے جب ان کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بچے تمہارے ہیں میں نے ٹھیکا نہیں اٹھا رکھا۔ ہر کام مفاسقتی ہے جتنا مرضی دے دو۔“ سومیہ نے بڑبڑا کر فردوس کو آواز دی۔ فردوس اگر کچھ بچا ہوا ہے تو اسے دودو۔“

”بی بی! پرسوں کا سائن پڑا ہے اور کل کا پلاؤ ہے۔“

”ہاں ہاں وہی دے دو۔“ رشیدہ نے جلدی سے کہا کہ مبادہ بی بی کا ارادہ بدل جائے۔

”ہاں ہاں دے دو۔ جیسے باپ کا مال ہے۔“ سومیہ نے رشیدہ کی نقل اتاری۔

فردوس نے کھانے کا شاپر لا کر دیا اور رشیدہ نے جلدی سے تھام لیا۔

”رشیدہ.....“ وہ ابھی ابھی کام، کر کے فارغ ہوئی ہی تھی کہ بی بی جی نے آواز دے ڈالی۔ میلی جھلی چادر سے ہاتھ صاف کرتی کچن سے باہر آئی۔

”جی بی بی۔“ رشیدہ کل کو جلدی آتا۔ میں نے کل اپنے بہن بھائیوں اور سسرالی رشتے داروں کی دعوت رکھی ہے۔ اصل میں تمہارے صاحب پرسوں آئے ہیں سب نے ملے آنا ہی تھا میں نے اسٹے ہی بلا لیا۔ میں نے فردوس سے بھی کہہ دیا ہے وہ بھی جلدی آ جائے گی تم بھی یاد رکھنا میں کوئی بہانہ نہ سنوں۔“ سومیہ حکم آمیز لہجے میں کہہ کر اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئی جو دبیر کی سردشام میں آکس کریم کھانے کی رٹ لگا کے بیٹھا تھا۔

”نہیں زین! بیٹا بیمار ہو جاؤ گے بہت ٹھنڈ ہے۔ پھر سب کے ساتھ پارٹی میں کیسے مزا کرو گے۔“ سومیہ نے پیار سے سائر کو پچکارا۔ سائر منہ بسور کے اندر جانے لگا۔

”میں پاپا کو فون کرتا ہوں آپ میری کوئی بات نہیں مانتیں۔“

”اوہ میرا بیٹا۔“ سومیہ نے مانتیں پھولے پھولے رخساروں پہ پیار سے چٹکی بھری۔ دفعتاً اس کی نظر صوفے کے پاس کھڑی رشیدہ پہ پڑی وہ نخوت سے ناک چڑھا کر بولی۔

”تم ابھی تک یہاں کھڑی ہو جا کر کام کرو۔“ بی بی جی! کام تو کر لیا آپ دیکھ لیں۔ مجھے

”ہوں۔“ سومیہ نے تنفر سے اپنا سر جھکا۔
 ”اور ہاں کھانے پینے کا بھی ذریعہ مت سمجھو اس کو بھی
 کو۔“ ذرا جان بھی ہلایا کرو اپنی۔“ اس نے رشیدہ کو
 مونے جسم کو دیکھ کر طنز کیا۔ ”کل جلدی آ جانا
 ورنہ.....“ باہر نکلتی رشیدہ کے کانوں میں آواز گونجی۔
 سومیہ ورنہ ادھورا چھوڑ کر اندر کمرے کی جانب
 بڑھی۔ جہاں رضا صاحب انہیں بلا رہے تھے۔
 ☆☆☆

”اماں! دے نا جلدی بھوک لگ رہی ہے۔“
 ارے ندیدوں بھی ٹک بھی جایا کرو باب
 نا جانے کس جہنم میں جا کر اعداب میرے گلے ڈال
 گیا۔“ رشیدہ نے ایک زوردار دھموکا بھموکی کر پر
 جڑا.....
 ”اوئی اماں! تو مارتی بھی کتنی زور سے ہے۔“
 چھمو نے اپنی کمر سہلائی۔
 ”اماں! تو بعد میں مار لیتا پہلے مجھے چاول



دے شکلیہ نے چاولوں کی پلیٹ اپنی طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

”اے پیچھے ہٹ چڑیل.....“ رشیدہ نے شکلیہ کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔ ”ساری کی ساری تو کھالے گی باقیوں کو کیا کھلاؤں گی.....“ رشیدہ نے اپنے گرد بیٹھے باقی کے چار بچوں کی طرف دیکھا۔

”تھوڑا تھوڑا کھالوٹل کے۔“ تھوڑی دیر کر سیدمی کر کے ہانڈی چڑھاؤں گی۔“

”اماں میں نے روٹی کھانی ہے۔“ شکور نے منہ بنا کر ماں سے فرمائش کی۔

”اوائے، چپ کر کے کھالے۔ تیرے باپ کے پیسوں کا نہیں ہے۔ اتنی باتیں سن کر لائی ہوں۔ نہیں کھانا جا جا کے مانگ لاسی سے۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔“ رشیدہ نے غصے سے ہاتھ نچایا۔

”اماں! تو کرنے کیا جاتی ہے۔ پھر وہاں۔“ جب ہم نے بھوکے ہی رہنا ہے۔“ گیارہ سالہ چھمو کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”اے چھمو! چل بس کر.....“ رشید کا دل پھجوا۔ ”کیا کروں مہنگائی ہی بہت ہے۔ اور اکیلی میری جان..... کچھ بڑے لوگوں کے دل چھوٹے ہیں۔ جتنا بھی کام کر لوں۔ بیگم صاحبہ کو پسند ہی نہیں آتا۔“ رشیدہ نے اپنا سر، افسردگی سے دائیں بائیں ہلایا۔ ”سوچ رہی ہوں تم دونوں کو بھی کام پہ لگا دوں۔“ اس نے چھمو اور شکلیہ کی طرف دیکھا۔

”اور شکور کو کسی دکان پر بٹھا دوں۔“ اس نے آٹھ سالہ شکور کی طرف دیکھا۔

”ہاں ہاں۔ اماں! لگا دے مجھے کام پر۔“ شکور نے چاولوں کا نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے زور زور سے سر گولہ لایا۔ ”تم اکیلی کام پہ جاتی ہو۔ تب بھی ہم بھوکے ہی رہتے ہیں۔ اب تو ناجانے کہاں ہے۔ ہم مل کے محنت کریں گے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

شکور نے ہاں کی۔ تو رشیدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ باپ کو احساس نہ سہی میرے بچوں کو تو ہے نامیرا خیال۔ اس نے سراٹھا کے رب کا شکر ادا

کیا۔ اور خوش ہوئی۔

”چلو تم کھالو یہ چاول، کل تم سب کو اچھے اچھے کھانے کھلاؤں گی۔“ اس نے بچوں کے آگے پلیٹ سرکائی۔

”آج اماں!“ چھوٹا منظور خوش ہوا۔

”اماں! تو کل کہاں سے اچھے اچھے کھانے لائے گی۔“ شکلیہ نے حیرانی سے پوچھا۔

”کل کو..... سومیہ بی بی نے اپنے رشتے داروں کی دعوت رکھی ہے۔ طرح طرح کے کھانے ہوتے ہیں۔ ایک سے ایک چیز ہوتی ہے۔ ایسے ایسے کھانے ہوتے ہیں ہمیں تو ان کا نام بھی نہیں پتا ہوتا۔ کل میں خوب محنت کروں گی۔ خوب کام کروں گی۔ بیگم صاحبہ خوش خوشی مجھے کھانا دے گی۔ تم فکر نہ کرو آج کھالو کل عیش کرا دوں گی۔“ رشیدہ نے انہیں حسین خواب دکھایا۔

”ہائے اماں! اکل تو بڑا مزا آئے گا۔“ وہ سب خوش خوشی کل کے کھانے کا سن کر جلدی جلدی چاول کھانے لگے..... جیسے آج ہی کل کی دعوت کا کھانا کھا رہے ہوں۔

☆☆☆

”کمال کر دیا سومیہ! آج یار، مزا آگیا۔ ہر چیز لا جواب ہے۔ پیٹ بھر گیا مگر نیت ہے کہ بھر نہیں رہی۔“ سومیہ کی بڑی جیٹھالی نے اپنے سسلی بال پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

”صحیح کہہ رہی ہیں آپ اتنے کھانے اور ڈالتے میں بھی کمال۔ واہ سومیہ..... مزا آگیا۔ سچی میں یار۔“ اب کے سومیہ کی بہن نے کہا۔

وہ سب کھانے کے بعد ہال کے کمرے میں بیٹھے جائے بی رہے تھے۔ سومیہ اپنی تعریفوں پہ پھولے نہیں۔ سارہی تھی۔

”تھینک گاڈ! آپ سب کو کھانا اچھا لگا اور مزا بھی آیا۔“

رشیدہ بچن کے دروازے پہ کھڑی سومیہ کا انتظار کر رہی تھی۔ کہ کب وہ فارغ ہو اور اسے کھانا

”ابھی کھانے کی کسر ہے کیا؟ سومیہ نے غصے سے کہا۔

”بچے ہوئے ڈونگے میں سے سالن ڈالا اور چار روٹیاں کاؤنٹر پر پٹ دیں۔“

”اب جاؤ کیا سارا نہیں ہی دے دوں؟“ سومیہ نے اس کی حیران نظروں کے جواب میں کہا۔ اور باہر نکل گئی۔

ساران دن اس خوشی میں کام کیا کہ آج میرے بچے بھی مڑے کا کھانا کھالیں گے۔ بچوں کے آس بھرے چہرے اس کی نظروں میں گھومنے لگے۔ وہ بے ساختہ ردوی۔ کتنے ظالم ہیں یہ لوگ اچھی طرح پتا ہے کہ میں صبح سے یہاں ہوں بچے بھوکے ہوں گے کیا لے کر جاؤں صرف یہ..... اس نے کاؤنٹر پر رہیں روٹیوں اور تھوڑے سے سالن کی طرف دیکھا۔

اچانک رشیدہ کی نظر ان بڑے بڑے شاپروں پر پڑی جو کچھ دیر پہلے سومیہ بھائی کے لیے رکھ کر گئی تھی۔ جن کے پاس سب کچھ ہے انہیں ہی بھر بھر کے دے رہی ہیں۔ اور جو صبح سے بھوکے ہیں وہ بھوکے ہی مر رہے۔ ایک کوندہ سار رشیدہ کے ذہن میں لپکا اس نے ایک نظر ہال میں ڈالی سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صوبح اچھا تھا رشیدہ جلدی سے آگے بڑھی اور فرنیچ میں سے پھل جلدی سے شاپر میں ڈالے اور کھانے سے بھرے شاپر اٹھا کر بغیر آواز کیے کچن کا پچھلا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

”ان چیزوں پر میرا حق ہے میرے بچوں کا حق ہے آج ہم بھی دعوت کریں گے وہ کیا کہتے ہیں۔ یارٹی۔“ وہ تیز رفتار سے چلتے ہوئے خود سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے مڑ کر روشنیوں میں ڈوڈی کو بھی کو دیکھا اور ان کی کم ظرفی پر سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

☆☆

دے۔ صبح وہ جلدی آگئی تھی۔ بھاگ بھاگ کے سب کام کیے۔ سومیہ بی بی بھی خوش نظر آ رہی تھیں۔ اب تو وہ بیویوں کے ساتھ ساتھ خوش خوشی مجھے کھانا بھی دیں گی۔

”اچھا صوبی! میں چلتی ہوں۔“ رشیدہ سومیہ کی جھجھائی کی آواز پہ اپنے خیالوں سے چونکی۔

”تمہارے بھائی آنے ہی والے ہوں گے۔ ایک ہفتے کے نور پہ کراچی گئے ہوئے تھے۔ جا کر ان کے کھانے پینے کا انتظام کرواؤں گی۔ تمہیں پتا ہی ہے نوکروں کا جب تک سر پہ کھڑے نہ ہوں۔ کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرتے۔ جاتے جاتے بھی مجھے ٹائم لگے گا۔“

”بھابھی! رکے آپ۔ ابھی تو ٹائم ملا ہے باتیں کرنے کا اور ٹائم ہی کتنا ہوا ہے ابھی۔“ سومیہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

سومیہ کے کہنے پر رشیدہ نے دیوار پہ لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ جہاں گھڑی نو اور چھ کے درمیان تھی۔ رشیدہ کو بچے یاد آئے۔ جو اس کے انتظار میں بیٹھے ہوں گے۔

”ارے نہیں چندا! شرمندہ مت کرو، پھر آؤں گی۔ اب تم آثار رضا کے ساتھ۔“

”اچھا رکھیں، پھر میں بھائی کے لیے کھانا پیک کروا کر دیتی ہوں۔ ہر چیز ان کی پسند کی ہے۔ بھیا دیوانے ہیں میرے ہاتھ کے کھانوں کے۔“ سومیہ چن چن میں آکر جلدی جلدی کھانا پیک کرنے لگی۔ کھانا پیک کر کے سومیہ مطمئن ہوئے سب کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ ابھی وہ آکر بیٹھی ہی تھی کہ رشیدہ آکر بولی۔

”بی بی جی! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ سومیہ نے غصے سے اسے دیکھا اور کچن میں چلنے کا اشارہ کیا۔ پھر کچن میں آکر میسے رشیدہ کے ہاتھ پر رکھے اور جگت میں واپس جانے کو مڑی۔

”بی بی جی! کچھ کھانے کو دے دیں بچے بھوکے راہ تک رہے ہوں گے۔“